بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد :

ریاست جموں وکشمیر کوقدرت نے اپنے حسین مناظر کے اعتبار سے جودرجہ عنایت فرمایا ہے وہ کسی پرمخفی نہیں۔دنیا بھر کے لاکھوں افراد ہرسال ان مناظر سے لطف اندوز ہونے اوران سے ظاہری سکون حاصل کرنے کے لئے یہاں آتے ہیں۔اس ظاہری ذریعہ سکون کے ساتھ ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نوازش سے حضرت عبدالرحمٰن بلبل رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۷ھ مطابق ۱۳۲۷ء) اورامیر کبیر میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۷۸۶ھ) اوران کے رفقائے کار بزرگان دین اولیاء اللہ اورسادات وشیوخ کی ایک بھاری جمعیت کا یہاں ورود ہوا جنھوں نے روحانی سکون کا ذریعہ اسلام کی صورت میں فراہم کیا چنانچہ یہ خطہ ظاہری وباطنی سکون کاایک سنگم بن گیا۔

اسلام دین حق ہے اورمکمل نظام لیکرآیا ہے جو پیدائش سے لیکرموت تک کا زندگی بسرکرنے کا طریقہ انسان کوسکھاتا ہے۔انفرادی اوراجتماعی تمام شعبوں میں اس کی رہبری کرتا ہے۔اس کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنا کلام حضرت جبرئیل علیہ السلام کی وساطت سے حضرت سیدالمرسلین رحمۃ للعالمین وخاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک اقوال،افعال اورتقریر سے فرمائی،جس کوحدیث سے تعبیر کرتے ہیں۔قرآن پاک اورحدیث سے مستنبط ہونے والے احکام ظاہری کوائمہ کرام نے ترتیب دیا جس کوفقہ کہا جاتا ہے۔اور باطن وقلب سے متعلق احکام کومشائخ عظام نے مرتب کیا وہ ’’تصوف،احسان یاسلوک کہلایا‘‘ یہ دونوں چیزیں دین کا خلاصہ ہیں۔

امت میں جب تک قرآن پاک اور حدیث مبارک اور ان علوم دینیہ کی باضابطہ تعلیم وتدریس کا انتظام رہا دین اپنی خصوصی آن بان اورشان کے ساتھ قائم رہا، چنانچہ جب اسلام نے اپنی نورانی شعاعوں سے سرزمین کشمیر کومنور کیا تو حضرت امرکبیر رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ جو بزرگان دین تشریف لائے تھے ان میں علماء اورمحدثین بھی تھے اورفقہاء ومشائخ بھی۔ان حضرات کی محنتوں سے یہاں قرآن پاک اورحدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتعلم کے لئے مدارس اور دارالعلوم بھی قائم ہوئے اور مساجد وخانقاہیں بھی۔

ہمارے رفیق محترم مولانا مفتی نذیر احمد صاحب نے ان مدارس کا تذکرہ نہایت جامع اورمختصر انداز میں اپنے ایک مضمون میں یوں کیا ہے۔مولانا تحریر فرماتے ہیں:’’کشمیر کی تاریخ کا وہ دور جواپنی بیشمار خصوصیات کی وجہ سے روشن ترین دور کہلاتا ہے یعنی شاہمیری دورِحکومت،دینی واسلامی مراکز سے مالا مال تھا۔عظیم الشان مدارس،اصلاح وارشاد کی خانقاہیں،قرآن،حدیث،فقہ،شعروادب کی مستندترین شخصیات کا دور دورہ

تھا۔خود سلطان قطب الدین نے (جو شاہمیری سلاطین میں مختلف اعتبار سے ممتاز تھا) اپنے دارالخلافہ قطب الدین پورہ سرینگر میں ایک عظیم الشان دارالعلوم قائم کیا جس میں طلباء کے قیام وطعام کے تمام انتظامات کے ساتھ مفت تعلیم کا انتظام تھا۔اسی دارالعلوم میں حضرت شیخ یعقوب صرفیؒ (المولود ۹۲۸ھ المطابق ۱۵۴۱ء وفات بعمر ۷۲ سال) اور علامہ بابا داؤد خاکیؒ پیدا ہوئے۔ یہ دارالعلوم صدیوں تک کشمیر کو علم دین سے فیضیاب کرتا رہا، پھر سکھ دور حکومت میں یہ مدرسہ بند کر دیا گیا۔اس دور میں مدرستہ القرآن صرف تجوید وقرأت کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ چنانچہ مولانا سلیمان جو علم قرأت پڑھاتے تھے کو امام القرأت کا لقب دیا گیا۔اسی عہد میں ''مدرسہ عروۃ الوثقی'' قائم کیا گیا جس میں محدث کبیر سید جمال الدین درس دیا کرتے تھے۔ان مدارس کے سبب علوم کی ایک ایسی فضاء قائم ہوئی کہ بالآخر شیخ الاسلام کا منصب قائم کیا گیا اور سلطان سکندر کے زمانہ میں علامہ محمد فاضل بخاریؒ اس منصب پر فائز ہوئے۔ پھر سلطان زین العابدین نے اپنے عہد میں نوشہرہ سرینگر جو کہ اُس وقت دارالخلافہ تھا میں ایک عظیم دارالعلوم قائم کیا۔جس میں عالم اسلام سے عظیم ترین شخصیات کو جمع کر کے تمام علوم اسلامیہ کے درس کا نہایت ہی معقول انتظام کیا گیا تھا۔ چنانچہ علامہ کبیر نحوی روم سے تشریف لائے اور اسی دارالعلوم میں پوری عمر علوم اسلامیہ کے درس میں گذار کر یہاں نوشہرہ میں ہی آسودۂ خواب ہوئے۔

لیکن جب شاہمیری دورِ حکومت کا زوال ہوا تو مدارس، خانقاہیں، مساجد اور مساجد سے ملحق مکاتیب دینیہ کا بھی زوال شروع ہوا گو کہ حضرت شیخ یعقوب صرفیؒ جو کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے حدیث کے استاذ رہے ہیں (تذکرہ علماء ہند) ملا حاجی محمد کشمیری (جو دونوں علامہ ابن حجر مکیؒ کے تلامذہ میں سے تھے) نیز حضرت بابا داؤد خاکی، ملا حیدر کشمیریؒ اور محمد حسین کشمیریؒ (جو کہ عظیم آباد (پٹنہ) کے قاضی ومفتی بن کر گئے) اور ملا حیدر (جن کو اورنگ زیب نے قاضی خاں کا خطاب دیا تھا) وغیرہ اس دور میں پیدا ہوئے اور علوم دینیہ کی حفاظت واشاعت میں زندگیاں صرف کیں۔لیکن مدارس ومکاتیب کا وہ استحکام مسلسل روبزوال تھا جو دین کے ہر شعبہ کو زندہ رکھنے کا ضامن ہوتا ہے۔پھر چک دور حکومت میں جب یوسف شاہ چک وغیرہ کی صورت میں تشیع کی یلغار ہوئی اور اہل حق پر مظالم کا دور شروع ہوا تو یہ دین حق وحکمت کے سرچشمے بھی اس ظلم کا شکار ہوئے، چنانچہ حضرت قاضی موسیٰؒ شہید جو اس وقت کے کشمیر میں مستند ترین شخصیت تھی اسی دور میں شہید کر دیئے گئے۔رہی سہی کسر بعد میں افغانیوں نے پوری کی (اگر چہ افغان دورِ حکومت میں مظالم منتشر اور غیر منصوبہ بندی کے ساتھ ہوئے تھے) اس کے بعد سکھ دور حکومت میں پورے منصوبے کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں پر مظالم ہوئے۔مسجدیں نذرِ آتش کی گئیں، دینی مدارس جو کچھ بچے کھچے تھے اور کسمپرسی کی حالت میں تھے بند کر دیئے گئے۔جامع مسجد سرینگر کو نذرِ آتش کرنے کی ہمت نہ کی گئی، مگر مقفل کرنے میں بھی کوئی باک محسوس نہ ہوا۔اب نہ علماء رہے نہ

مدارس رہے، نہ خانقاہیں رہیں نہ مساجد سے ملحق مدارس ومکاتیب کا سلسلہ باقی رہا۔نتیجہ
یہ ہوا کہ خالص مسلمانوں کی بربادی میں دین کے نہ کسی علمی سرچشمہ کا وجود رہا نہ کسی علمی
واصلاحی مرکز کا۔پھر سکھوں کے ظالمانہ دور کے بعد ڈوگروں کا عہد آیا تو اس دور میں بھی
نہ مدارس قائم ہوسکے نہ علماء پیدا ہوسکے۔اور نہ کسی اصلاحی وتعمیری سرگرمی کا احیاء کیا جاسکا
۔اس طرح کشمیر میں اٹھارویں صدی کی ابتداء سے دینی مراکز کا اختتام ہوااور وہ کشمیر جو
کبھی شیخ الاسلام کے منصب پر فائز ہونے والی شخصیات خود پیدا کرتا تھا۔اب یہاں کا
مسلمان مسجد کے امام اور وضو وجنازہ کے مسائل بتانے والے شخص کے لئے بھی ترسنے لگا
غرض کہ اس طویل ظالمانہ دور کا نتیجہ یہ نکلا‘‘۔کہ پوری وادی جہالت وبے دینی کے
گہرے قعر میں ڈوبی رہی۔اکّا دُکّا عظیم علماء جو اس عہد میں پیدا ہوئے وہ کشمیر سے باہر
جاکر دیوبند، دہلی یا لاہور کی دینی درسگاہوں میں تیار ہوئے مثلاً علامۃ الدّہر مولانا انور
شاہ کشمیریؒ، مولانا میرک شاہ صاحبؒ، مولانا محمد یوسف صاحبؒ، وغیرہ اور یہ علماء کرام
اپنی ہمت اور وسعت کے مطابق کوششیں کرتے رہے۔عام مسلمانوں کی بے توجہی کی بنا
پر علوم اسلامیہ کی بہار کشمیر سے رخصت ہوگئی۔اب صورتحال یہ تھی کہ جس کسی کو چھ کلمے،
دعائے قنوت اور چند سورتیں یاد ہوتی تھیں وہ عالم سمجھا جانے لگا۔ یہ یقین کرنا مشکل
ہوگیا کہ مکمل قرآن کریم کا کوئی حافظ بھی ہوسکتا ہے؟ صحیح قرآن کریم پڑھنے والے مفقود
ہوگئے،علوم اسلامیہ میں درک ومہارت کرنے کے بغیر ہی محض خاندان کے اعتبار سے
لوگ ’مولوی‘ ’مفتی‘ ’حافظ‘ حتی کہ ’حاجی‘ کہلانے لگے۔جبکہ اسلام کی رو سے علوم شرعیہ
کی تحصیل بقدرضرورت ہر مسلمان مردوعورت پر فرض عین ہے۔تحقیقی علم کو حاصل کرنا
فرض کفایہ ہے۔جگہ جگہ ایسے علماء وصلحاء کا موجود ہونا ضروری ہے جو بلاخوف وبلاطمع
امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں خصوصاً اس دور میں جب کہ حق
وباطل کی معرکہ آرائی عروج پر ہے۔دین متین پر ہر چہارسو سے قسم قسم کی یلغاریں
ہورہی ہیں۔باطل نظریات حسین وجمیل لبادہ اوڑھ کر عوام اور مسلمانوں کی نوجوان تعلیم
یافتہ نسل کو خصوصاً غلط راہ پر ڈالنے میں کوشاں ہیں۔ان حالات میں زیادہ ہی ضروری
بنتا ہے کہ ان فرائض کی ادائیگی کے لئے دینی علمی مراکز قائم ہوں جہاں پر دین کی
اشاعت اور اس کی حفاظت کی ضروریات پوری ہوسکیں۔اس سلسلے میں اہل اللہ تڑپتے
رہے دعا کرتے رہے۔اپنے دردِ دل کا امت کے فکرمندوں کے سامنے اظہار کرتے
رہے اور مختلف موقعوں پر مختلف کوششیں کرتے رہے۔

ان ہی میں سے بانڈی پورہ میں مؤرخہ ۱۰؍شوال المکرّم ۱۳۹۹ھ مطابق 3؍ستمبر
1979ء کو ایک کوشش شروع کی گئی جو اس وقت ایک مکتب کی صورت میں وجود پذیر
ہوئی۔اللہ تبارک وتعالی نے اس وقت نہ صرف کشمیر میں موجود تمام اولیاء کرام وعلماء
صالحین خصوصاً الحاج غلام حسن اعرجؔ صاحب گامرو تلمیذ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری
محمد طیب صاحبؒ، الحاج مولانا نورالدین ترالی تلمیذ حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ ومسترشد

حضرت حکیم الامت تھانویؒ، الحاج کوثر علی نقشبندیؒ، حاجی میر عالم نقشبندیؒ گوٹلی باغ وغیرہ بلکہ باہر کے اکابر اولیاء اور علماء کے قلوب کو اس مکتب کی طرف روحانی طور متوجہ فرمایا۔ ان کی دعاؤں توجہات اور رہبری سے کام آگے بڑھتا گیا۔ اور مختصر مدت میں یہ مکتب کئی شعبہ جات پر مشتمل مدرسہ کی صورت اختیار کر گیا۔

مدرسہ کے اصولوں میں اس بات کو خصوصیت سے شامل کیا گیا کہ مدرسہ کسی محلّہ، قصبہ یا شہر کے ساتھ خاص نہ ہو، بلکہ ہر ایک طالب علم کے لیے چاہے وہ کسی بھی علاقے، شہر یا ملک کا ہو اس کے دروازے مفتوح ہوں، کیونکہ جس طرح اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو تمام عالم کے لیے رشد وہدایت لیکر آیا ہے۔ اسی طرح اس کی تعلیم بھی عام ہے۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ قرب وجوار یعنی ریاست کشمیر کے مختلف گوشوں سے وارد ہونے والے طلبہ کے لیے زیادہ گنجائش رکھی گئی۔

چونکہ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ تعمیر سیرت وتربیت اور تبلیغ دین کی صلاحیتوں اور دینی ذوق کو بیدار کرنے کی فی زمانہ اشد ضرورت ہے۔ اس لیے مدرسہ کا اقامتی درسگاہ بن جانا قدرتی امر تھا۔ مستحق طلباء کے قیام وطعام اور ضروریات کا بقدر استطاعت کفیل مدرسہ ہی بنا۔ پہلے سال گیارہ ایسے طلبہ کو داخلہ دیا گیا جن کی ضروریات تعلیم، قیام اور طعام کا انتظام منجانب مدرسہ مفت کیا گیا جب کہ اب ایسے طلبہ کی تعداد چھ سو سے متجاوز ہے۔

اس امر پر اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرنا ہمارا فرض ہے کہ ممتاز علماء، صلحاء اور اکابر کی خصوصی توجہات، غیر معمولی دلچسپیاں، دعائیں اور مشورے اس مدرسہ کو ہمیشہ حاصل رہے ہیں۔ ابتدائے قیام سے سرپرست حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دار العلوم دیوبند متعین ہوئے۔ اس دور میں ناظرہ قرآن کریم، حفظ، فارسی اور عربی کے ابتدائی درجات جاری ہوئے، انہوں نے ہی مدرسہ کا نام تجویز فرمایا۔ ان کی رحلت کے بعد حضرت فقیہ الامت جامع شریعت وطریقت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۴۰۳ھ مطابق 1983ء سے لیکر ۱۴۱۷ھ مطابق 1996ء تک ۱۴؍سال سرپرستی فرمائی۔ حضرت والا تین بار ادارہ میں تشریف لائے۔ طویل قیام فرمایا مدرسہ کو بخوبی جانچا، دور دور سے عوام، علماء اور مشائخ آکر حضرت سے بیعت ہوئے اور حضرت کے حکم سے ہی مدرسہ میں جلالین شریف شروع ہوئی۔ دار الافتاء کا کام بھی آپ کی زیر نگرانی جاری رہا نیز مشکوٰۃ شریف کی ابتداء کی گئی۔

جبکہ آپ کی وفات کے بعد صدیق العصر حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ سرپرستی فرماتے رہے۔ اور آپ کے دور میں مشکوٰۃ شریف کی باضابطہ تعلیم ہوئی اور دورۂ حدیث شریف جاری کرنے کے لیے آپ نے حکم صادر فرمایا۔ جس کی تکمیل آپ کے انتقال کے بعد علماء کرام اور مشائخ عظام نیز ریاست جموں وکشمیر کے ذمہ داران مدارس کے بہت بڑے مجمع کی موجودگی میں مؤرخہ ۱۵؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ مطابق 26؍ستمبر 1999ء کو بخاری شریف کی ابتداء ہوئی

۔اس موقعہ پر مقامی مدارس کے ذمہ داران اور علماء کرام کے علاوہ مندرجہ ذیل حضرات شریک رہے: حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز مولانا مفتی محمد سلیمان صاحب مدظلہ العالی اور حضرت فقیہ الامت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفائے مجازین میں سے حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب مدظلہ العالی خادم خاص حضرت فقیہ الامتؒ، حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری استاذ حدیث جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل، حضرت مولانا احمد بزرگ صاحب مہتمم جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، حضرت مولانا مفتی ابو القاسم صاحب بنارسی مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا مفتی محمد فاروق صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مرتب فتاویٰ محمودیہ) واستاذ حدیث جامعہ محمودیہ میرٹھ، حضرت مولانا احمد درویش صاحب استاذ مدرسہ اسلامیہ نیو ٹاون جوہانسبرگ، حضرت مولانا قاری محمد ادریس صاحب استاذ حدیث مدرسہ عبدالرب وامام مسجد سبحان الہندؒ دہلی اور حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب دیوبندی وغیرہ۔

اس طرح سے بعض مؤرخین و محققین کی رائے کے مطابق تقریباً دوسوسال کے بعد حدیث پاک کے نصاب کا باضابطہ تکمیل کا سلسلہ جاری ہوا۔ **فللہ الحمد ولہ الشکر۔**

حضرت صدیق العصر رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد محی السنۃ حضرت مولانا الشاہ محمد ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مشاورت کا سلسلہ جاری رہا، تمنا اور کوشش کے باوجود حضرت والا کا کوئی سفر کشمیر کے لئے نہ ہوسکا۔ تاہم حضرت مولانا قاری امیر حسن صاحب نور اللہ مرقدہ خلیفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اسفار ہوئے اور دیگر اکابر گرامی قدر کی بار بار تشریف آوری ہوری ہے۔ جن کی تشریف آوری ممکن نہیں ہوسکی ان سے دعائیں حاصل کی گئیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس وقت مدرسہ میں دورۂ حدیث شریف، تکمیل فقہ (افتاء)، تکمیل علوم، تکمیل ادب نیز قرأت سبعہ وغیرہ جیسے تخصص کے شعبوں کی بنیاد پڑگئی ہے۔ **فللہ الحمد ولہ الشکر.**

خود دعا گو ہوں، اپنے تمام بزرگوں اور دوستوں سے بھی اس دعا کی درخواست کرتا ہوں کہ اللہ تعالی اس عظیم المقصد مدرسہ کو معیاری بنا کر اپنی بارگاہ میں قبولیت سے نوازے۔ یہ ادارہ اپنے حقیقی مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائے۔ اس کے ذمہ داروں اور خدام کو اخلاص اور للّٰہیت عطا ہو۔ مدرسہ دن دوگنی رات چوگنی ترقی کر کے پورے عالم میں دین متین کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرے اور مسلمانوں کے لئے تا ابد صلاح وفلاح کا ذریعہ بن جائے۔ آمین

ایں دعا از من و جملہ جہاں آمین باد

وانا العبد الاواہ

محمد رحمت اللہ

عفی اللہ عنہ وعافاہ